Al-Mīthāq

(Research Journal of Islamic Theology)

Published by: HIRA *Institute of Social Sciences Research & Development*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 04, October - December 2026, PP 01-16
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article Timeline:	*Received:* 01-09-2026	*Accepted:* 03-10-2026	*Published:* 06-10-2026

Disclaimer:
Responsibility for the accuracy of the stated facts rests solely with the authors. Opinions expressed in *"Al-Mīthāq"* are those of the authors and not necessarily endorsed by either the Editorial board or the Institute.

گلوبل ولیج میں مسلم اقلیتیں اور ہجرتِ حبشہ:
آبادکاری، قانونی جدوجہد اور دعوتِ دین کی روشنی میں عصرِ حاضر کے لیے لائحہ عمل

The Abyssinian Migration as a Model for Modern Muslim Minorities: Settlement, Legal Advocacy, and Da'wah in the Global Village

Sayed Noor Ullah Shah [1] *Muhammad Ahmed Raza* [2] *Dr. Sajid Jamil* [3]

Abstract

In the contemporary era of globalization, the emergence of the "global village" has created unprecedented socio-economic opportunities alongside complex challenges for Muslim minorities living in non-Muslim-majority societies. These challenges include preserving religious identity, safeguarding legal rights, and achieving effective social integration. This research aims to develop a conceptual and practical framework for contemporary Muslim minorities by examining the Migration to Abyssinia (Hijrah al-Ḥabashah) as a significant Prophetic model. Employing a descriptive and analytical methodology, the study explores how this historic migration exemplifies peaceful settlement, the pursuit of justice through available legal and diplomatic means, and the propagation of Islam (Da'wah) through wisdom, dialogue, and exemplary conduct. The findings suggest that the experience of the Migration to Abyssinia offers valuable insights for contemporary Muslim minorities seeking to navigate socio-political challenges while preserving their religious identity. In particular, the diplomatic engagement of Ja'far ibn Abī Ṭālib (RA) at the court

[1]***Corresponding Author,*** *PhD Research Scholar, Department of Islamic Learning, University of Karachi & Visiting Lecturer Salim Habib University Karachi.* noorullahsherazi34@gmail.com
[2]*PhD Research Scholar & Teaching Assistant, Department of Islamic Learning, University of Karachi.* ahmadraza12202@gmail.com
[3] *AD DGRE, Visiting Faculty Salim Habib University.* jamilsajid543@gmail.com

of the Negus highlights the importance of principled dialogue, peaceful advocacy, and the effective use of available mechanisms for the protection of rights. The study concludes that Muslim minorities can draw upon these historical principles to promote constructive civic engagement, strengthen social cohesion, safeguard their religious and cultural identity, and contribute positively to pluralistic societies without compromising their Islamic values.

Keywords

Muslim Minorities, Abyssinian Migration, Global Village, Legal Advocacy, Da'wah, Settlement, Prophetic Diplomacy, Civil Rights.

تعارف

بقول اقبالؒ: "ثبات ہر تغیر کو ہے زمانے میں"[1]

بدلتی ہوئی دنیا کے منظر نامے میں عالمِ انسانیت تیزی سے ایک ایسے باہم مربوط معاشرے کی صورت اختیار کر چکا ہے جسے عموماً "گلوبل ولیج" (Global Village) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ، جدید مواصلاتی وسائل، بین الاقوامی نقل و حرکت اور معاشی و سماجی روابط نے مختلف مذاہب، تہذیبوں، قوموں اور ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔[2] اس عالمی معاشرے کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ دنیا کے متعدد ممالک میں مسلمان اقلیت کے طور پر آباد ہیں۔ کہیں مسلمان تاریخی و سیاسی تبدیلیوں کے نتیجے میں اقلیت بنے، کہیں روزگار، تجارت اور تعلیم کے لیے ہجرت کر کے مستقل سکونت اختیار کی، جبکہ بعض علاقوں میں مقامی آبادی کے قبولِ اسلام کے نتیجے میں مسلمان اقلیتی حیثیت میں موجود ہیں۔ یوں عصرِ حاضر میں مسلم اقلیتوں کا مسئلہ ایک اہم سماجی، سیاسی، قانونی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی موضوع بن چکا ہے۔

بین الاقوامی مفہوم میں "اقلیت" ایک سیاسی و سماجی اصطلاح ہے، جس سے مراد کسی ریاست کی وہ جماعت یا جماعتیں ہیں جو نسل، زبان، مذہب، ثقافت یا کسی بنیادی شناخت کے اعتبار سے وہاں کی غالب اکثریت سے مختلف ہوں۔ اقلیتوں کا بنیادی مطالبہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ انہیں شہری، سیاسی اور انسانی حقوق میں اکثریت کے برابر حیثیت حاصل ہو، جبکہ مذہبی و تہذیبی معاملات میں انہیں اپنے تشخص، عقیدے اور اقدار کے تحفظ اور اظہار کا حق دیا جائے۔[3] اس تناظر میں اقلیت اور اکثریت کے باہمی تعلق، اقلیتی نفسیات، سیاسی شرکت، معاشی مواقع، سماجی ہم آہنگی اور ثقافتی شناخت جیسے مسائل علمِ عمرانیات اور سیاسیات کے اہم موضوعات شمار ہوتے ہیں۔ تاہم مسلم اقلیتوں کا مسئلہ محض شہری حقوق یا سیاسی شرکت تک محدود نہیں رہتا، بلکہ ان کے لیے اپنے دینی تشخص، مذہبی آزادی، تہذیبی اقدار اور نئی نسل کی اسلامی تربیت کا تحفظ بھی ایک بنیادی ضرورت بن جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کو ایک ایسے متوازن طرزِ عمل کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتی ہے جس میں وہ اپنے مذہبی و تہذیبی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے ذمہ دار، پُرامن اور فعال شہری کی حیثیت سے زندگی گزار سکیں۔ بعض مسلم اقلیتوں کو مذہبی آزادی، امتیازی رویوں، معاشی مشکلات، سیاسی عدمِ نمائندگی، ثقافتی دباؤ، شناخت کے بحران اور نئی نسل کی دینی تربیت جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں صرف اکثریت سے حقوق کا مطالبہ کرنا کافی نہیں بلکہ مسلم اقلیتوں کے لیے ایک ایسی جامع حکمتِ عملی ناگزیر ہے جو قانونی ذرائع سے اپنے جائز حقوق کے حصول، مقامی معاشرے کے ساتھ مثبت تعلقات، معاشی خود کفالت، تہذیبی شناخت کے تحفظ اور دعوتِ دین کے مؤثر اور حکیمانہ اسلوب کو یکجا کرے۔

مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسوۂ رسول اللہ ﷺ بنیادی رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآنِ مجید نے رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اہلِ ایمان کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔[4] یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہر دور اور ہر معاشرتی

صورتِ حال میں اپنے مسائل کے حل کے لیے سیرتِ طیبہ سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے مختلف مراحل میں دعوت، صبر، حکمت، معاشرتی تعامل، سیاسی جدوجہد، معاہدات، بین الاقوامی روابط اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ تعلقات کے متعدد نمونے موجود ہیں۔ تاہم کثیر مذہبی معاشرے میں مسلم اقلیتوں کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک نہایت اہم اور نسبتاً کم توجہ پانے والا عملی نمونہ ہجرتِ حبشہ ہے۔

ہجرتِ حبشہ نبوی عہد کا وہ تاریخی مرحلہ ہے جس میں مسلمانوں نے ایک غیر مسلم ریاست میں اقلیتی حیثیت سے رہائش اختیار کی۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین کے ظلم و ستم اور مذہبی آزادی کی عدم دستیابی کے باعث رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی ایک عادل حکمران کے طور پر معروف تھا۔ اس ہجرت کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایک ایسے معاشرے میں رہنے کا موقع ملا جہاں وہ اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکتے تھے۔ اس اعتبار سے ہجرتِ حبشہ محض ایک تاریخی ہجرت نہیں بلکہ مسلم اقلیتوں کی آباد کاری، مذہبی آزادی، قانونی تحفظ، اکثریتی معاشرے کے ساتھ تعامل اور دعوتِ دین کے حوالے سے ایک اہم عملی نمونہ بھی ہے۔

حبشہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں کو ایک نئے معاشرتی اور سیاسی ماحول کا سامنا تھا۔ وہاں وہ رسول اللہ ﷺ کی براہِ راست موجودگی سے دور تھے اور اپنے اجتماعی معاملات میں باہمی مشاورت کے ذریعے فیصلے کرتے تھے۔ جب قریش کے نمائندے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے نجاشی کے دربار میں پہنچے تو مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لیے نہ تو اپنے دین کی تعلیمات سے انحراف کیا اور نہ ہی حبشہ کے قانونی و عدالتی نظام کو نظر انداز کیا۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے سامنے مسلمانوں کے مذہبی و اخلاقی موقف کی مؤثر ترجمانی کی اور واضح کیا کہ اسلام نے ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں کیا مثبت تبدیلی پیدا کی ہے۔ اس واقعے میں ایک طرف اپنے مذہبی تشخص پر مضبوطی سے قائم رہنے کا سبق ملتا ہے تو دوسری طرف مقامی نظامِ انصاف اور قانونی ذرائع کو اپنے جائز حقوق کے تحفظ کے لیے استعمال کرنے کی روشن مثال بھی سامنے آتی ہے۔

ہجرتِ حبشہ کا ایک اور اہم پہلو وہاں مسلمانوں کی طویل المدت آباد کاری ہے۔ مسلمان محض وقتی پناہ گزینوں کے طور پر نہیں رہے بلکہ ایک عرصے تک وہاں قیام کیا، معاشرتی زندگی اختیار کی، باہمی روابط قائم کیے، معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور مقامی معاشرے میں ایک پُرامن جماعت کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ ان کے طرزِ عمل سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ مسلم اقلیت کسی غیر مسلم اکثریتی معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی مذہبی شناخت برقرار رکھتے ہوئے معاشرے کے امن، استحکام اور اجتماعی خیر میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہے۔ اسی طرح ہجرتِ حبشہ دعوتِ دین کے حوالے سے بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ مسلمان جب حبشہ پہنچے تو انہوں نے محض اپنے تحفظ اور عبادت تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے کردار، اخلاق اور گفتار کے ذریعے اسلام کی نمائندگی کی۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کا خطاب اس امر کی واضح مثال ہے کہ غیر مسلم معاشرے میں دعوتِ دین کا مؤثر طریقہ حکمت، اخلاق، دلیل اور حسنِ بیان پر مبنی ہونا چاہیے۔ یوں ہجرتِ حبشہ مسلم اقلیتوں کے لیے یہ رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ مذہبی شناخت کا تحفظ اور معاشرے کے ساتھ مثبت تعامل ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ حکمتِ عملی کے ساتھ دونوں کو بیک وقت اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی اقلیتیں

دنیا میں مسلمان اقلیت کی موجودگی کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ اسلام کی ابتداء میں مکہ مکرمہ میں، پھر جیسا کہ ہم نے اپنے موضوع میں بیان کیا حبشہ میں مسلمان اقلیت میں تھے، اور تاریخ کے ہر دور میں دعوت و تبلیغ اور تجارتی مقاصد سے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں نے غیر مسلم ممالک میں اقلیت کی حیثیت سے رہنا گوارا کیا ہے۔ ہندوستان، سری لنکا، چین، مشرقی افریقہ، انڈونیشیا،

فلپین اور بحر الہند کے جزیروں میں شروع میں آباد ہونے والی مسلمان جماعتوں کا تعلق اسی طرح کی اقلیت سے ہے۔ زمانہ کے ساتھ ان بیوپاریوں اور مبلغین نے مقامی عورتوں سے شادی کی، اور دوسری اور تیسری نسل ان علاقوں کی باشندہ ہوگئی، بسا اوقات مقامی آبادیوں نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ کیا، بعض جگہوں پر اسلام میں داخل ہونے کا رجحان اتنا طاقتور تھا کہ کہ شروع میں جن کو کمزور اقلیت سمجھا جاتا تھا کچھ عرصہ میں وہ اکثریت میں تبدیل ہوگئے، جیسا کہ ملیشیا، انڈونیشیا اور دنیا کے بعض دوسرے علاقوں میں ہوا۔ مسلمانوں کی اپنے وطن اور جائے رہائش کے اعتبار سے علامہ یوسف القرضاوی نے دو قسمیں بیان کی ہیں:

- اوّل: وہ مسلمان جو فقہاء کی اصطلاح کے مطابق "دار الاِسلام" اور جدید اصطلاح میں اسلامی معاشروں یا اسلامی ممالک کے اندر رہتے ہیں، اسلامی ممالک سے مراد وہ ممالک ہیں جن کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہو۔ اور جو کم از کم دینی شعائر (مثلاً اذان، نماز، روزہ، تلاوت قرآن وغیرہ) اور جو اپنے شخصی احوال (شادی وطلاق وغیرہ) پر دین کے احکامات کے مطابق عمل کرتے ہوں۔
- دوم: وہ مسلمان جو دار الاِسلام سے باہر اسلامی معاشروں یا عالم اسلام سے دور ہوں، یہ قسم مزید دو قسموں پر مشتمل ہے:
  - وہ مسلمان جو اس ملک کے حقیقی باشندے ہیں اور جنہوں نے عرصۂ دراز قبل اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اس ملک کے دوسروں غیر مسلم باشندوں کے مقابلہ میں اقلیتی گروہ مانے جاتے ہیں۔
  - وہ مہاجر مسلمان جو اسلامی ممالک سے غیر اسلامی ممالک میں کام، ہجرت، تعلیم یا کسی اور دوسری جائز غرض کی وجہ سے آتے ہیں اور انہوں نے ان ممالک میں قیام کی قانونی اجازت حاصل کر لی ہے جبکہ بعض لوگوں نے وہاں کی شہریت حاصل کرلی ہے اور ان ممالک کے شہری ہونے کے ناطے وہاں کے تمام حقوق واختیارات سے مستفید ہو رہے ہیں۔[5]

مغربی ممالک میں مسلم اقلیتیں

زمانہ ماضی قریب میں اہل مغرب کے اہل علم یعنی مستشرقین کی کوشش رہی کہ اسلام کی ایسی تصویر کشی یا اعتراضات اٹھائے جائیں تاکہ لوگ متنفر ہو کر اسلام سے دور ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اسلامی مصادر پر سخت نقد کی بھی کوشش کی گئی۔ اللہ تعالی کی مشیت رہی کہ اسلام کا نام تا قیامت رہے گا۔ [6]لہذا مشرقی و مغربی یورپ میں بھی اسلامی اقلیتوں کا وجود ہے بعض وہاں کے اصل باشندے ہیں، مثلاً: جرمنی، ترکی، بوسنیا، کوسوو، ہرکس اور مقدونیا کے مسلمان۔ اسی طرح کروشیا، صربیا، بلغاریہ، وغیرہ ممالک کے مسلمان باشندے وہاں کے حقیقی اور اصل رہائشی ہیں۔ مغربی یورپ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ فرانس میں تو مغربی ممالک سے ہجرت کر کے بہت سارے مسلمان رچ بس گئے ہیں۔ فرانس میں تقریباً 50 لاکھ مسلمان رہائش پذیر ہیں۔ اور اس خطے کی یہ تعداد مغربی تمام خطوں سے زیادہ ہے۔ اسی طرح جرمن کے اکثر مسلمان ترک ہیں، ان کی تعداد تیس لاکھ ہے ان میں سے زیادہ تر مسلمانوں کی پیدائش بھی جرمنی میں ہوئی ہے۔ برطانیہ میں جو مسلمان ہیں عموماً یہ وہ لوگ ہیں جو برصغیر پاک وہند اور بنگلادیش وغیرہ سے ہجرت کر کے یہاں مقیم ہوئے ہیں۔ اسی طرح دیکھا جائے تو اٹلی، ہالینڈ، اسپین، بلجیم اور آسٹریا وغیرہ میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد مل جاتی ہے۔

دیکھا جائے تو ان اقلیتوں میں اب اپنے وجود کی احساسیت جاگی ہے اور اب کافی عرصے سے یہ یورپی مسلم اقلیتیں اسلام بیداری کی طرف مائل ہیں۔ انہوں نے مختلف دینی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی ادارے قائم کرنا شروع کر دیے ہیں، اپنی مساجد اور ایسے ادارے کالجز کی بنیادیں رکھنا کہ جہاں سے وہ اپنے دینی شعائر کو قائم رکھ سکیں اور شریعت کی روشنی میں بہترین تعلیم فراہم کر سکیں۔ یہاں کچھ ناموں کو مثال کے طور دے دیتا ہوں جن کو با آسانی سرچ کیا جا سکتا ہے۔ "اتحاد المنظمات الإسلامية" یہ یورپ

میں ہے۔[7] "المؤسسة الاسلامية، دار الرعايه الاسلامية" یہ برطانیہ میں ہے۔[8] ایک اندازے کے مطابق امریکہ اور کینیڈا میں مسلمانوں کی تعداد سترہ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ علامہ قرضاویؒ (وفات: 2022ء) نے لکھا ہے کی ان میں اکثر تعداد افریقی مسلمانوں کی ہیں جو سب آزاد تھے لیکن ان کے ملک سے ان کو غلام بنا کر یہاں بیچا گیا تھا، ان کے ساتھ انتہائی ظلم ہوا، بہت برا رویہ کیا گیا۔[9] ان میں سے بعض غلامی کے اس ظلم وزیادتی کے شکار سے اور کچھ مختلف امراض میں مبتلا ہو کر موت سے دوچار ہو گئے۔ علامہ قرضاوی لکھتے ہیں:

"غلامی کی زنجیروں سے نکلنے کے بعد ان میں ایک بہت بڑی تعداد کو جب علم ہوا کہ ان کے آباء واجداد مسلمان تھے اور ان کا اصل مذہب اسلام ہے تو وہ پھر سے اسلام کی طرف لوٹ آئے، لیکن وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات پر صحیح سے عمل پیرا نہیں تھے، اللہ تعالی نے ان کے درمیان چند بزرگان دین پیدا کئے جو ان کو صحیح اور اصل اسلام کی طرف لے کر آئے اور انہوں نے ان کو صحیح العقیدہ مسلمان بنایا۔"[10]

یہاں امریکہ اور کینیڈا میں کچھ مسلمان مہاجرین عرب و دیگر اسلامی ممالک سے بھی آئے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی شہریت اور قانونی اجازت حاصل کر لی ہے، اپنی تعداد اور استطاعت کا خیال کرتے ہوئے بہت سارے دینی، سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور معاشرتی ادارے قائم کئے ہیں۔

عصر حاضر اور مسلم اقلیتیں

آج مسلمانوں کی تقریباً ایک تہائی آبادی ان جگہوں پر اقلیت کی حیثیت سے آباد ہے جہاں دوسرے مذاہب، نظریات اور عقائد کے لوگوں کو انتظامی، تقنینتی، قانونی اور سیاسی بالادستی حاصل ہے، مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کبھی اقلیت کی حیثیت سے نہیں پائی گئی، تنہا ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق تین سو ملین (تیس کروڑ) سے زائد ہے۔ کسی تاریخی مرحلہ میں اور زمینی حقائق کو دیکھا جائے تو کسی علاقہ میں شاید ہی اتنی بڑی تعداد اقلیت میں پائی گئی ہو، سید ابو الحسن علی ندوی نے کہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت نہیں بلکہ دوسری اکثریت ہیں، ہندوستان کے علاوہ چین، سری لنکا، نیپال، برما، اور ایشیا اور افریقہ کے دوسرے ممالک میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اقلیت کی حیثیت سے آباد ہے۔

یورپ میں صرف البانیا اور بوزنیہ میں مسلمان اکثریت میں ہیں، باقی دوسرے ممالک میں اقلیت میں ہیں، اگرچہ تاریخ کے مختلف ادوار میں یورپ کے بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی طاقتور حکومتیں رہی ہیں، اسپین میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی، اور بعد کے ادوار میں سلطنت عثمانیہ نے یورپ کے وسیع رقبہ پر صدیوں تک حکومت کی، لیکن اس وقت یورپ کے اکثر علاقوں میں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں، یورپ کے علاوہ امریکہ، کناڈا اور آسٹریلیا میں بھی مسلمانوں کی معتد بہ تعداد ہے، بلکہ چین اور روس وغیرہ میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، اور عرصۂ دراز سے محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں۔[11] متحدہ روس میں ایک محتاط اندازے کے موجب دو کروڑ قوقازی، تاتاری، اور کچھ دیگر قومیتی مسلمان رہتے ہیں۔ چیچنی مسلمانوں کا تعلق بھی انہی کے ساتھ ہے۔ چین میں بھی دسیوں لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے لحاظ سے اگر محتاط اندازا لگایا جائے تو چین میں مسلمان اقلیت کی تعداد پندرہ کروڑ سے زائد ہوگی۔ حالانکہ حکومت کی جانب سے چین میں مسلمانوں کی تعداد کم بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چند ممالک ایسے بھی ہیں جو حقیقت میں اکثریت سے مسلمان ملک ہیں، لیکن مغربی اصرار پہ انہیں مسیحی ممالک قرار دیا جاتا ہے اور وہاں مسلمان اقلیت میں شامل ہیں جیسے ایتھوپیا، ارتریا، چیڈ وغیرہ۔ اس ضمن میں دیگر چند ممالک کا نام آتا ہے جن کا برصغیر ایشیا اور افریقہ سے کافی اثر ورسوخ رہا ہے مثلاً: تھائی لینڈ، برما، سنگاپور، سری لنکا، تنزانیہ، یوگانڈا، کینیا، گھانا، نائجیریا اور جنوبی افریقہ وغیرہ۔

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مقدمہ اور تقریری نکات

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے جب نجاشی نے اسلام کے متعلق پوچھا تو اس کے تعارف پر مشتمل جو تقریر سیدنا جعفر نے کی اس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کی چند ایسی بنیادی باتیں کی جن کا تعلق عقائد عبادات اور معاملات کو شامل ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے چودہ نکات کو سامنے رکھا ہم ان کو یہاں ذکر کرتے ہیں:

- توحید
- سچائی
- جھوٹی بات سے پرہیز
- بدکاری سے پرہیز
- امانت داری
- صلہ رحمی
- پڑوسیوں سے اچھا سلو
- حرام کاموں سے پرہیز
- خونریزی سے گریز
- مال یتیم سے پرہیز
- عورتوں پر الزام تراشی سے گریز
- نماز قائم کرنا
- زکوٰۃ دینا
- روزہ رکھنا۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کا اس شاہ حبشہ کے سامنے تعلیمات نبوی پیش کرنا اسلام کی اساس کو بیان کرتا ہے اس میں انہوں نے فرمایا کہ: "اے شاہ حبش! ہم جہالت کے باب میں ڈوبے ہوئے تھے، ہم بتوں کے پجاری تھے، مردار کھاتے تھے۔" ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ اللہ کا کلام نازل ہوا اس نے توحید کا پیغام دیا۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ جو لائق عبادت ہے جس کو تمام تعریفیں سجتی ہیں وہ ذات واحد ہے احد ہے صمد ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے ساتھ یا اس کے مثل یا اس کے برابر کوئی نہیں وہ اپنی تمام تر صفات و افعال میں اکیلا ہے۔ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ خدا واحد و یکتا ہے اس کے ساتھ کوئی کسی بھی طرح شریک نہیں۔ یہ توحید اسلام کی سب سے بنیادی مضبوط کڑی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: "ہم جھوٹ بولنے، زنا اور فسق و فجور کو اچھا گردانتے۔" ہمیں تو ہمارے نبی نے اعلیٰ اخلاق سے نوازا اس نے ہمیں بتایا کہ جھوٹ سے پرہیز کرنا ہے جھوٹ بولنے والے کے منہ سے بدبو نکلتی ہے اور فرشتے اس سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ ہمیشہ سچائی کا دامن پکڑ کے رکھنا چاہیے اس خلق عظیم کے مالک نے ہمیں معاشرے کے رہنما اصول بتائے اور سکھائے۔ فرماتے ہیں: "مسافروں کی مہمان نوازی سے واقف نہیں تھے، بدکار تھے اور بے رحم تھے۔" ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا کہ ایک مسافر کے کیا احکام ہیں کوئی آپ کے ہاں مہمان بنتا ہے تو اس کی جان، مال، عزتوں کی حفاظت کرنی چاہیے نہ کہ ان کی عزتوں پر گندی نظر اور مال کو دبانے کی ہمت کرنی چاہیے، ہمیں بتایا کہ دوسروں کی عزتوں کا خیال رکھنا ہے کسی کے مال پہ قبضہ نہیں کرنا کسی کی حق تلفی نہیں کرنی۔ فرماتے ہیں کہ: "ہم پڑوسیوں سے برا طریقہ اپناتے، ہم میں سے طاقتور ناتواں پہ

ظلم ڈھاتا، حق دبا لیتا، ہم لوگ ظلم کے سوا کوئی دوسرا قانون نہیں جانتے تھے طاقت ہی قانون تھا۔" بس اسی اثنا میں رب کریم نے فضل اور احسان فرمایا ہماری قوم میں ایسا مہربان شخص مبعوث فرمایا جس کے حسب نسب سے ہم خوب واقف ہیں جس کی امانتداری جس کی صداقت کے چرچے ہر زبان پہ زدعام ہیں۔ اس محبوب ﷺ نے ہمیں راہ راست پہ ڈالا ہمیں قانون سکھایا، ہمیں پڑوسیوں کے حقوق بتلائے، ہمیں ظلم سے روکا اور ظالم و مظلوم کی مدد کرنا سکھایا کہ ظالم کو ظلم سے روک کر مزید گناہ کرنے سے بچائیں اور مظلوم کی مدد کر کے اس کا سہارا بنیں۔ فرمایا: "ہم امانت میں خیانت کرتے یتیموں کا مال کھا جاتے تھے، ہم مختلف معاشرتی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ہمیں اس محبوب الٰہی ﷺ نے آ کر بتایا کہ انسان ہی انسان کا ہمدرد بنتا ہے کمزوروں پہ رحم کرنے کا درس دیا، سچائی کا درس دیا، کمزوروں کے ساتھ رحم دلی کرنے کا درس دیا، اور فرمایا کہ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھائیں امانت میں خیانت نہ کریں، کسی کی غیبت نہ کریں، چغل خوری سے بچیں۔" ہم ناحق عورتوں پہ الزام تراشتے تھے، جھوٹی گواہی دیتے تھے، اور اصل دین حنیف کے احکام بھلا چکے تھے۔" "ہمیں اس حبیب لبیب ﷺ نے سکھایا کہ کسی محصنہ عورت پہ جھوٹ نہیں باندھنا چاہیے، کسی کی عزت داغدار نہ کریں، الزام تراشی سے بچیں، اس نے دینی احکام سکھائے کہ نماز قائم کریں، روزہ رکھیں، زکوۃ ادا کریں۔ یہ معاشی، معاشرتی اور عقائد کے اصول ہمیں ہمارے حبیب ﷺ نے سکھائے۔ ہم اس پہ ایمان لائے ہیں اور اس کو اللہ جل شانہ کا سچا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہم وطن جو لوگ بھی ابھی تک جہالت کی عمیق سرنگوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور تن پہ غرور و تکبر کا خاک آلودہ لباس زیب کیے ہوئے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ہم اس خدائے یکتا کی عبادت کریں جس نے ہم پر اپنے محبوب کو مبعوث کر کے احسان فرمایا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کی ہم ان پتھروں اور لکڑیوں سے گھڑی مورتیوں کی عبادت بجالائیں حالانکہ ہم تو وحدہ لاشریک لہ کے ماننے والے ہیں۔ اسی بناء پہ وہ ہمیں اذیت دیتے اور تکالیف پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے ہم پر اتنے جور و ظلم کیے کہ ہم ان کے مظالم کا تاب نہ لا سکے اور مجبور ہو کر آپ کے ملک میں ہجرت کر آئیں ہیں۔

جو سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کی دربار میں نکات بیان فرمائے تھے یہی اسلام کی اساس اور بنیادی تعلیم ہے، جس میں عقائد کی مضبوطی معاشرت اور اخلاقیات کی تعلیم ہے نہ صرف مذہب بلکہ سماجی و اخلاقی تمام لحاظ سے رہنمائی موجود ہے۔

عصر حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لیے اسوہ

کوئی مسلمان جہاں کہیں بھی بحیثیت اقلیت رہ رہا ہو اس کو ہمیشہ اس ملک میں ایک اچھے شہری کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں قبول کرنی چاہییں ایک اچھے شہری کی جو اخلاقی، معاشرتی، اور دینی ذمہ داری ہے وہ پوری کرنی ہے تاکہ وہ معاشرے کے ساتھ بآسانی تعلق استوار کر سکے۔ اس خطے میں امن کو قائم رکھے اپنی دینی ذمہ داری و فرائض کو پورا کرے ہمیشہ اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات پہ عمل پیرا رہے کبھی کسی ناحق تکلیف نہ پہنچائے۔ حق گوئی کرے اور حق کا ساتھ دے وہاں کے اصولوں کی پاسداری کرے اور قانون کی بالادستی میں معاون رہے الا یہ کہ اسلامی تعلیم کے مخالف ہو۔ عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کرے، یتیموں کا سہارا بنے خوب محنت و مشقت سے حلال رزق کمائے۔ ہمسائیوں کی امداد کرے اور ان سے اچھا رویہ برتے ان کے حال واحوال سے واقف رہے۔ کسی کے معاملے میں جھوٹی گواہی کا مرتکب نہ ہو۔ اس میں عصر حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لیے سب سے پہلا رہنما اصول یہ ہے کہ وہ کہیں بھی ہوں، دامن حضور ﷺ نہ چھوڑیں یعنی تعلیمات نبوی ﷺ کے خلاف کوئی بھی موقف اختیار نہ کریں۔

دوسری بات جہاں کہیں ہوں کہیں بھی چلے جائیں وہ حق پر قائم رہیں اور حق بات ہی کہیں۔ حالات جیسے بھی ہوں، یہی ان کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی بنیاد اور اثاثہ ہے۔ پھر ایک بات یہ معلوم ہوئی مسلمان اقلیت جہاں بھی ہوں باہمی اتحاد واتفاق، مشاورت اور یک جہتی سے کام لیں، اپنا کوئی امیر بھی منتخب کریں، چنانچہ حضرت جعفر طیار کی امارت میں مہاجر صحابہ کا باہمی مشورہ سے

ایک موقف طے کرنا ہمیں یہی اسوہ فراہم کرتا ہے۔ پھر وہاں مسلمان جنھوں نے اتنا عرصہ قیام کیا، کا اس نجاشی کو دعائیں دینا بتاتا ہے کہ مسلمان اقلیت کی حیثیت سے جس ملک میں رہیں اس کے خیر خواہ اور محب وطن بن کر رہیں خداع یا غداری نہ کریں۔ اقلیت کو چاہیے کہ جس ملک میں قیام پذیر ہے اس ملک کے نظام عدل سے واقفیت حاصل کریں اور اسے اپنے تحفظ اور اپنا حق حاصل کرنے کیلئے استعمال کریں۔ جس طرح سیدنا جعفر نے نجاشی کی عدالت میں کر دکھایا تھا۔

مسلمان جس ملک میں اقلیت ہیں وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہیں اور تخریبی کارروائیوں ملوث نہ ہوں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر کا یہ جملہ کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں سے بچنے اور خونریزی سے گریز کرنے کی تعلیم دی۔" یہی بتاتا ہے کہ ایک اقلیت میں بھی آپ امن پسندی کے ساتھ رہیں۔ آخری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان جس ملک میں بھی اقلیت کی حیثیت سے ہوں تو کسی پہ بوجھ نہ بنیں بلکہ اپنی خوب محنت ومشقت کریں اور حلال رزق کمائیں۔

ہجرت حبشہ کے اجمالی نتائج: معاصر اسوہ

1: حالات کے پیش نظر ہجرت کرنا

حبشہ ہجرت کرنے کی صحابہ کرامؓ کو اس وقت اجازت دی گئی جب کہ مکّہ کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہوگئی، دین پر قائم رہنا دشوار سے دشوار تر ہو گیا اور دعوت کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں رہتے ہیں، وہاں دین پر عمل کی اگر آزادی ہے دعوت کے مواقع حاصل ہیں اور اس کی راہیں کھلی ہیں تو اس ملک کو چھوڑنے یا اس سے ہجرت کا جواز ان کے لیے نہیں ہے۔ ان کی دینی ذمّہ داری ہے کہ وہ وہیں قیام کریں اور دین پر عمل کرتے ہوئے اس کی دعوت و تبلیغ اور سربلندی کی جدوجہد جاری رکھیں۔ (اس بات کی استثنیٰ ہے کہ تلاشِ معاش یا کسی دنیوی غرض سے کسی ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہونا یا رہایش اختیار کرلینا ہجرت نہیں ہے۔)

2: دین کی محبت کا جذبہ اور حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فوقیت

ہجرت کرنے والوں نے انتہائی بے بسی اور مجبوری کی حالت میں اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، اور اپنے رشتہ دار واقارب سے قطعِ تعلق کر کے اجنبیت کی زندگی اختیار کی۔ کوئی تن تنہا تھا، تو کوئی جوان بیوی اور ننھے اور معصوم بچے کے ساتھ تھا کسی کے پاس سواری تھی زیادہ تر پیدل تھے۔ تن بہ تقدیر ایک نامعلوم مستقبل کی طرف چل پڑے۔ وہ قدم قدم پر اس بات کا ثبوت فراہم کرتے چلے جا رہے تھے کہ اللہ کا دین ان کے لیے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتے ہیں۔ اسی جذبے نے انھیں دُنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہم کنار کیا۔

3: بغیر تعارف کے دارالامن کی طرف جانا

حبشہ ایک غیر اسلامی اور عیسائی سلطنت تھی لیکن وہاں مسلمانوں کو اسلامی عقیدے پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی تھی۔ تبلیغ کے مواقع بھی حاصل تھے۔ اس پہلو سے وہ مہاجرین کے لیے دارالامن بن گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کسی ملک میں اسلام پر قائم رہنا سخت دشوار ہو جائے اور کوئی دارالاسلام جہاں مسلمان ہجرت کر سکے موجود نہ ہو، تو وہ کسی غیر اسلامی ملک میں جہاں دین پر عمل اور اس کی دعوت و تبلیغ کی آزادی حاصل ہو ہجرت کر سکتا ہے۔

4: ایمان عزم اور جرأت کی اہمیت

نجاشی اپنے دربار میں وزرائے سلطنت اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ سب اسلام سے بے خبر تھے ان کا مذہب عیسائیت تھا اور اس کے علم بردار تھے۔ ان کے درمیان سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے ایمانی جرأت کا زبردست ثبوت دیا۔ اسلام کے

عقیدوں کو بیان کیا توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت کے تصور کو پیش کیا۔ اسلام کی اخلاقیات کو واضح کیا اور حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں اسلامی عقیدے کو بغیر کسی کمی و پوشیدگی کے پیش کیا۔ اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ حالات نازک صورتحال کا منظر نامہ پیش کریں دین کی ترجمانی اسی طرح واضح و روشن ہوگی جس طرح یہ دین روشن ہے۔ اور اس کی تعبیر و تشریح میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی ہوگی۔ حالات اور ماحول کے زیر اثر اسلام کی ناقص اور نامکمل ترجمانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان حضرات کا عزم و حوصلہ اور ایمانی جذبہ قیامت تک داعیانِ دین کے لیے نمونہ ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل نکات اہم ہیں:

- مسلمان جہاں کہیں بھی چلے جائیں وہ حق پر قائم رہیں اور حق بات ہی کہیں۔ حالات جیسے بھی ہوں، یہی ان کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی بنیاد اور اثاثہ ہے۔
- اپنے ہم وطن کو دین کی دعوت حکمت، معقولیت اور مدلل طریقہ سے دین اور ہمیشہ طاقت کا مقابلہ حکمت سے کرنے کی سعی کریں۔ اقلیت کے لیے یہ ہتھیار زیادہ کارگر ہے۔
- جس ملک میں رہیں اس کے خیر خواہ اور محب وطن بن کر رہیں، چنانچہ نجاشی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کر کے صحابہ نے اسی خیر خواہی کا ثبوت دیا تھا۔
- ملک کے نظام عدل سے واقفیت حاصل کریں اور اسے اپنے تحفظ کے لیے اور اپنا حق حاصل کرنے کیلئے استعمال کریں، حضرت جعفر نے نجاشی کی عدالت میں یہی کارنامہ انجام دیا تھا۔
- جس ملک میں رہیں وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہیں اور تخریبی کارروائیوں ملوث نہ ہوں۔ حضرت جعفر کی تقریر کا یہ جملہ کہ "رسول اللہ نے ہمیں پڑوسیوں سے حسن سلوک کی، حرام کاموں سے بچنے اور خونریزی سے گریز کرنے کی تعلیم دی" یہی سبق اور نصیحت دیتا ہے۔
- مسلمان جہاں بھی ہوں باہمی اتحاد و اتفاق، مشاورت اور یک جہتی سے کام لیں، اپنا کوئی امیر بھی منتخب کریں، چنانچہ حضرت جعفر طیار کی امارت میں مہاجر صحابہ کا باہمی مشورہ سے ایک موقف طے کرنا ہمیں یہی اسوہ فراہم کرتا ہے۔
- اپنے موقف، مقصد حیات اور طرز زندگی سے ہم وطنوں کو واقف کرائیں تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ان کے لیے تحفظ کے مسائل پیدا نہ کریں اور اسلام کو حریف کے طور پر نہ سمجھیں۔ حضرت جعفر کی پوری تقریر کا لب لباب یہی ہے۔
- ہم وطنوں کے مذہب، مزاج اور تہذیبی شعار سے ضروری واقفیت حاصل کریں تاکہ بقائے باہم کی راہ ہموار ہو۔ ہجرت حبشہ سے قبل سورہ مریم کا نزول اور نجاشی کی عدالت میں حضرت جعفر کی تلاوت سے اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔
- مسلمانوں کو اگر کوئی مذہبی یا سماجی صدمہ سے دوچار ہونا پڑے تو وہ صبر واستقلال اور دوراندیشی سے کام لیں، عجلت اور جذباتیت سے ممکن حد تک گریز کریں، یہی عبید اللہ بن جحش کے ارتداد پر مسلمانوں کے محتاط رد عمل سے معلوم ہوتا ہے۔
- مسلمان جس ملک میں ہوں محنت ومشقت اور حلال روزی کو اپنا وطیرہ بنائیں۔

معلوم ہوا کہ قلیت میں مسلمان جہاں کہیں بھی رہیں گے ان کے لیے تعلیمات اسلام اور اتباع سنت ہی واحد ذریعہ ہے جس کی بنیاد پر وہ اس غیر اسلامی ملک میں بھی اپنی ساکھ برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ حق گوئی، سچائی، خرابیوں سے بچنا، ظلم سے بچنا، قانون کا سہارا لینا اور قوم وملک کی بقا میں حصہ لیناہی ایسے اُصول ہیں جو جاوداں ہیں۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت قرآن میں اللہ تعالی کی جناب سے بھی ارشاد ہوئی ہیں ان کا ذکر سید مودودی صاحب نے بھی سیرت سرور عالم ﷺ میں کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے اہل مکہ کو ہجرت کی تیاریاں شروع کروائیں اور جیسے وہ اہل حبشہ کے لیے اسوہ ہے آج ہجرت حبشہ اور قرآن مجید کی وہ

آیات تمام مسلم اقلیتوں کے لیے بھی اسوہ ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ [12]

اے میرے بندوں! جو ایمان لائے میری زمین وسیع ہے تو میری ہی بندگی کرو۔

یہاں سے آگے یہ چار آیات تسلسل کے ساتھ کچھ ہدایات اور اسوہ پیش کرتی ہیں۔ پہلی آیت میں اشارہ ہے ہجرت کی جانب مطلب اگر آپ کو ایک خطے میں مکّہ میں تنگ کیا جاتا ہے، تم اپنے خدا کی آزادانہ منہج پہ عبادت نہیں کر پا رہے تو وہ زمین کا خطہ چھوڑ دو اور جہاں تم آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکو اس کو اپنا وطن بنالو اصل چیز تمہاری رہائش گاہ نہیں تمہارا وطن نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کی بندگی ہے۔ اس میں جو جھوٹا ماننے والا ہو گا وہ کبھی اتنی بڑی قربانی نہیں دے گا لیکن جو حقیقی مؤمن ہے اس کے لیے خدا کی بندگی اصل چیز ہے وہ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے حتی کے اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے بھی تیار ہے۔ دوسری آیت میں اشارہ ہے کہ اپنی جان کی فکر نہ کرو۔ یہ تو کسی نہ کسی دن جانی ہے۔ دنیا میں تو کوئی بھی ہمیشہ نہ رہے گا، اس لیے آپ کے لیے یہ ضروری نہیں کی اس دنیا میں جان کیسے بچائی جائے، بلکہ اصل سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے۔ یہ سوچو کہ اس رب کی بندگی کے تقاضوں کو کس طرح پورا کیا جائے۔ دنیا میں جان بچا کر ایمان کھو دیا تو اس کا نتیجہ بھیانک اور اگر جان کھو کر ایمان محفوظ کر لیا تو نتیجہ خیر کا ہو گا۔ اس بات کی فکر میں رہو کہ جب ہماری طرف لوٹ آئو گے تو ایمان کھو کر بچائی جان کام آئے گی یا جان کھو کر بچایا ہوا ایمان۔

تیسری اور چوتھی دونوں آیات اس بات کی طرف ذہن مائل کرتی ہے کہ اگر تم ایمان کے رستے پہ گامزن رہے اور اس نیکی کی راہ میں تم اگر دنیا کی تمام آسائشوں سے محروم بھی رہے اور لوگوں کے نقطۂ نگاہ سے ناکام و نامراد رہے تو یقین جانوں اس کی بھرپائی و تلافی ضرور ہو گی۔ اس کا تمھیں بہترین اجر ملے گا۔ جو لوگ ہر قسم کی اذیتوں، تکالیف اور مصیبتوں پہ صبر کرتے ہیں اور ایمان پہ قائم رہتے ہیں، اور اس ایمان لانے کی وجہ سے اپنے جسم پر تکلیفیں سہی، کفار کو خوش ہوتے دیکھا، دولت اور وحشت کی طرف دھیان تک نہ دیا، جنہوں نے اپنے رب پہ بھروسہ کیا نہ کہ مال و دولت یا قبیلہ پہ، وہ لوگ جو دنیاوی اسباب کو ترک کر کے ایمان کی قوت اور اپنے رب پر توکل کر کے ہر خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے اور وقت آنے پر اپنے گھر بار بھی ایمان کی خاطر چھوڑ کر ہجرت کر گئے، ایسے مؤمنین اور صلحاء کا اجر اللہ جل شانہ ہر گز ضایع نہیں فرماتا۔ وہ اس دنیا میں بھی ان کی نصرت فرماتا ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے نیک بدلہ ہے۔ آخر میں آیت کے اندر یہ تلقین ہوئی ہے کہ ہجرت کے سفر میں تمھیں جان کی جیسے فکر نہیں اسی طرح روزگار کی بھی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ بیشمار مخلوق جاندار، آبی کہ بری، سرد خون والے، گرم خون والے خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون ہے جو اپنا رزق اٹھائے پھر تا ہے؟ جواب ہے کوئی نہیں، اللہ پاک ہی ان سب کو پال رہا ہے۔ جہاں بھی جاتے ہیں اللہ پاک کے فضل سے ان کو رزق ملتا ہے رزق کا ذمہ اللہ پاک نے اٹھایا ہے۔[13] تو اگر کوئی ایمان کی خاطر خواہ اپنا گھر بار چھوڑ تا ہے تو رزق کی فکر نہ کرے کیونکہ اس کا رازق اللہ جل شانہ ہے۔ دعوت حق کی راہ میں ایسے مراحل آتے ہیں مؤمن کو چاہیے کہ دنیاوی تمام اسباب و ذرائع اور سہاروں سے قطع نظر برتے اور اللہ کے اوپر بھروسہ رکھے۔ جس حق کا نام بلند کیا ہے تو ایسے میں وہ شخص کامیاب نہ ہو گا جو جان کے تحفظ اور رزق کی وصولی کے لیے اسباب دنوی تلاش کرتا پھرے۔ در اصل اس طرح کے حالات بدلتے ہی ان لوگوں کی طاقت سے ہیں جو سر ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں۔ انہی کی قربانیاں وہ دن لاتی ہیں جب اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے۔[14]

معلوم ہوا کہ جو لوگ ہجرت کرتے ہیں یا ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں ان کی نیت میں دینی جذبہ ہونا چاہیے، ان کو اللہ تعالی نے نصیحتیں فرمائی ہیں وہ تمام نصیحت جس پر مہاجرین حبشہ نے عمل کیا اور ان کی زندگی آج ہمارے لیے اس موقع پر اسوہ ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ سب سے اہم دین بچانا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے اس کے لیے زمین بہت وسیع ہے ہجرت کا ایک اشارہ دیا۔ پھر

موت کے خوف کو ختم فرمایا، پھر رزق کے خوف کو دور کیا بتلایا کہ رزاق تو اس کی ذات ہے۔ توکل اور مصائب و تکالیف میں صبر اور توکل دلائی اور نیک بدلے کا وعدہ فرمایا۔

5: ہجرت حبشہ کی آباد کاری اور مذہبی دعوت و تبلیغ

کئی سال تک رحمت عالم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں حرمِ مکّہ تک محدود رہیں۔ یہاں کے اصل رہائشی یا باہر سے آنے والے لوگ ہی آپ ﷺ کے مخاطبین تھے، لیکن یہ دین اسلام تو فقط اہل مکہ یا جزیرۂ نما عرب خطوں کے لیے نہیں آیا، یہ ابدی و آفاقی دین تو عالم انسانیت کے عقیدوں اور عملی گمراہیوں کو درست اور راہِ ہدایت پہ لانے کے لیے آیا ہے۔ زندگی کے فکری، اصولی، عملی، نظریاتی پہلوؤں کو نورِ حق سے روشن کرنے آیا ہے۔ اس عظیم دین کو اپنی گوناگوں صفات و برکات کے ظہور کے لیے کشادہ میدانوں، علاقوں کی ضرورت تھی۔ جب مکّہ کے باشندوں نے رئیسوں نے حضور علیہ السلام کی وجاہت و سیادت کا بھی خیال نہیں رکھا اور داعیان اسلام پہ ظلم کے سنگین پہاڑ توڑے، ان کا تعصب اسلام اور تبلیغ دین کی راہ میں چٹان بن کر حائل ہو گیا، تو حبیب مکرم ﷺ نے اپنے پاکباز صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا، اس حکم کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ ان مظلوم مبلغین اور دین اسلام کے نام لیوا حضرات کو ایک ایسا عافیت خانہ میسر آیا کہ جہاں وہ آزاد ہو کر یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق ومالک حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت بجالائیں اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ نیز انہیں یہ موقع بھی ملا کہ وہ اس حدودِ جزیرہ نما عرب سے باہر حبشہ کی سرزمین پہ اپنے دین متین کی تبلیغ و ترویج کر سکیں اور بھٹکی ہوئی روحوں کو انوار صمدیہ سے جلا بخشیں۔ نیز اپنے اخلاق حسنہ، طرزِ عمل، بلند نظریات اور پاکیزہ کردار سے اسلام کی حقانیت پر گواہی دے سکیں۔

6: دعوت دین اور ایک نیا تجربہ

دعوت و تبلیغ کے معاملے میں ہجرتِ حبشہ ایک نیا تجربہ تھا۔ مکّہ میں شرک کی نامعقولیت واضح کی جارہی تھی اور توحید کے دلائل دیے جارہے تھے۔ حبشہ میں مسلمان ایک نئی صورت حال سے دوچار تھے۔ اس عیسائی مملکت میں چاروں طرف عیسائیت کا چرچا تھا اور مسیحی عقائد زبان زدِ عام تھے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے مکّہ ہی میں سورہ مریم کا نزول ہو چکا تھا۔ اس سورہ میں حضرت سیدہ مریم اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کی صحیح حیثیت اور مرتبہ واضح کیا جاچکا تھا۔ جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تعلیمات دی تھیں وہ بھی تفصیل سے بیان ہوئی تھیں۔ سورہ کہف میں بھی "ابن اللہ" کے تصور کا رد اور عیسائیت کی تاریخ کے چند واقعات، توحید کی دعوت اور اس پر استقامت کا ذکر موجود تھا۔ اس طرح مہاجرین اس نئی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے علمی اور فکری طور پر مضبوط تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس بات کو بیان کیا ہے:

> اب چونکہ تبلیغ کی آزادی تھی، اس لیے یہ مسلمان (مکے کے نو مسلم مہاجر) حبشہ میں تبلیغ کرنے لگے نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں وہاں کافی تعداد میں یعنی کم از کم چالیس پچاس حبشی مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس سلسلے میں انہیں دشواریاں بھی پیش آئیں۔[15]

نجاشی کے دربار میں اس سے فائدہ اٹھایا اور اس کے مطالبے پر قرآن کی تعلیمات قرآن ہی کے الفاظ میں پیش کیے۔ اور جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اس بابرکت انقلاب کے خدوخال وضاحت سے بیان کیے جس سے انہیں نبی کریم ﷺ کی غلامی نصیب ہوئی تو ان کی اس پر تاثیر اور دربار میں موجود لوگوں کے لیے حیرت انگیز گفتگو نے تمام حاضرین رئیسوں اور پادریوں کے علاوہ خود نجاشی کی آنکھیں اشکبار کر دیں۔

عصر حاضر کی اقلیت کے لیے اس بات سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کی جس دَور میں اور جس ماحول میں جو علمی و فکری

سوالات اُبھریں اسلام کی دعوت کے لیے ان کا جواب فراہم کرنا ضروری ہے، ورنہ اسلام کی حقانیت ثابت نہ کی جا سکے گی اور دعوت کا حق ادا نہ ہو گا۔

7: مہاجرین کی تبلیغی سرگرمیاں

مشرکین مکہ کی بنسبت یہاں عیسائی مذہب کے ماننے والوں کو تبلیغ کرنا اور دلائل بیان کرنا آسان تھا۔ کیونکہ مشرکین مکہ بت پرست تھے اور کسی کتاب یا نبی پہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ حیات بعد الموت اور یوم القیامۃ دنیا کے اعمال کے متعلق سوال و جواب پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس عیسائی جس کتاب پہ ایمان رکھتے تھے اس میں نبی آخر الزمان کے متعلق بشارت موجود تھی۔ اہل کتاب کو قرآن کا پیغام پہنچانا ضروری تھا کیونکہ مسلمانوں کا یہاں ہجرت کا مقصد صرف مظالم سے بچنا نہ تھا بلکہ اس دین کی تبلیغ کرنا بھی ان کے مقاصد میں شامل تھا۔

قریش کے وفد کی ناکامی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی پر تاثیر گفتگو کے بعد عام لوگوں میں بھی مہاجرین اور ان کے دین کا چرچا ہونے لگا کہ وہ کیا دین ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے خاندان، اپنے رشتہ دار، اقارب، دوست، احباب، قبیلہ، اپنے گھر حتیٰ کہ وطن کو چھوڑ کر آئے ہیں؟ حبشہ کے لوگ اس بات کو سوچنے لگے اور اس بہانے آنے جانے میں مہاجرین کے قریب ہونے لگے۔ اس دوران مسلمانوں نے موقع اور نزاکت کو سمجھتے ہوئے دعوت دینا شروع کر دیا ہو گا جلد اس تبلیغ کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ محمد رفیق ڈوگر صاحب نے اس وفد کے قبول اسلام کا واقعہ لکھا ہے:

> سمندروں اور صحراؤں کے سفر کی مشقت برداشت کر کے حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد مکّہ آیا، وفد میں بیس افراد شامل تھے۔ یہ عام لوگ نہیں تھے، عالم تھے اور اپنی کتاب کا علم رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اسلام اور قرآن کے بارے میں سوال پوچھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سب سوالات کے جواب دیئے۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ وہ سر ڈالے سنتے رہے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت ختم کی تو انہوں نے قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان کا اعلان کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔[16]

اسی میں آگے لکھا ہے کہ جب یہ حبشہ کے لوگ اسلام قبول کر کے واپس جانے لگے تو ابو جہل نے راستہ روک لیا کہنے لگا کہ تم بڑے نامراد لوگ ہو تمہیں تمہارے مذہب والوں نے مکہ اس لیے بھیجا کہ تم اس شخص (محمد {صلی اللہ علیہ وسلم}) کے بارے میں تحقیق کرو اور واپس جا کر انہیں ٹھیک ٹھیک خبر دو، مگر تم نے اس کے پاس بیٹھتے ہی اپنا دین چھوڑ دیا، اور اس پر ایمان لے آئے تم سے زیادہ احمق لوگ ہم نے کبھی نہیں دیکھے۔ انہوں نے نرمی سے جواب دیا ایسا جواب جو عباد الرحمان کی اوصاف میں شامل ہے: "بھائیوں تم پر سلام ہو ہم تمہارے ساتھ جہالت بازی نہیں کر سکتے۔ تم اپنے طریقے پر چلتے اور ہمیں اپنے طریقے پر چلنے دو، کیونکہ ہم سوچ سمجھ کر اپنے آپ کو بھلائی سے محروم نہیں کر سکتے۔[17] قرآن مجید میں ان تعلیمات کا ذکر ملتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔۔الی آیۃ 55[18]

> وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔" پھر آگے ارشاد ہے کہ: "اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں اس س ے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل، بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی (چاہنے والے) نہیں۔

8: حکمران کا قبولِ اسلام

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی اسلام لے آئے تھے۔ متعدد واقعات سے ان کا اسلام پر ایمان و یقین، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ انھوں نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے دربار میں کہا کہ یہی وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی بشارت انجیل میں دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ ﷺ کی تعلیمات بالکل صحیح ہیں۔ آپ ﷺ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے موقع ہوتا تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا اور آپ ﷺ کے پیر دھوتا، لیکن مملکت پر ان کا اتنا مضبوط کنٹرول نہیں تھا کہ وہ کھل کر اسلام کا اظہار کرتے۔ حبشہ کی عوام اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب وہاں کے لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا عقیدہ بدل گیا ہے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلایا۔ ان کے لیے کشتیوں کا انتظام کیا اور کہا کہ آپ حضرات ان کشتیوں پر سفر کے لیے تیار رہیں۔ اگر مجھے شکست ہو جائے تو جہاں چاہیں چلے جائیں۔ لیکن اگر مجھے فتح حاصل ہو تو حسب سابق یہیں قیام کریں۔ پھر ایک تحریر لکھی جس میں کلمہ شہادت اشهد ان لا الٰه الا الله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله تھا اور یہ بھی تھا کہ نجاشی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول ہیں اور اس کی روح تھے اور کلمہ تھے جسے اس نے مریم کے اندر پھونکا تھا۔ اس تحریر کو نجاشی نے اپنی عبا کے نیچے دائیں جانب رکھ چھوڑا۔ اس کے بعد حبشہ کے باغی گروہ کے پاس پہنچا۔ وہ اس کے مقابلے کے لیے صف باندھے تیار تھے۔ اُن سے کہا: لوگو! کیا میں اس ملک پر حکومت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں آپ ہی اس کے مستحق ہیں۔ نجاشی نے سوال کیا کہ: تم نے میرے اخلاق اور میری سیرت کیسی دیکھی؟ لوگوں نے جواب دیا: آپ بہتر سیرت کے مالک ہیں، لیکن آپ نے ہمارا دین ترک کر دیا ہے اور یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے تھے۔ نجاشی نے ان سے سوال کیا کہ: حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ہم انھیں ابن اللہ سمجھتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے عبا کے اوپر سے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا: عیسیٰؑ ابن مریم اس سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ (نجاشی کی مراد اس تحریر سے تھی جو ان کی عبا کے نیچے تھی لیکن مجمع نے سمجھا کہ وہ ان کے خیال کی تائید کر رہے ہیں)۔ وہ خوش اور مطمئن ہو گئے اور بغاوت ٹل گئی۔ نبی کریم ﷺ تک بھی یہ بات پہنچی تھی۔[19]

9: بحیثیت افراد مجبوریاں

اس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ایک عام آدمی ہی نہیں صاحب حیثیت اور بااقتدار فرد بھی ایسے حالات میں گھر سکتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار نہ کر سکے۔ شریعت پر نجاشی کس حد تک عمل کر رہے تھے، اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ شریعت پر کھل کر عمل کرنا شاید اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ اتنی بات طے ہے کہ وہ حج، ہجرت اور جہاد جیسے احکام پر عمل نہیں کر سکے اور اپنی مملکت میں اسلامی احکام بھی نافذ نہ کر سکے۔ لیکن اس کے باوجود کفر و شرک کے ماحول میں اسلام اور مسلمانوں سے ان کی ہمدردی جاری رہی۔ مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔ ان کی ہر طرح حفاظت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کیا اور بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔[20]

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کا قافلہ جب روانہ ہونے لگا تو کشتیاں فراہم کیں، سفر کا انتظام کیا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رویے اور سلوک کی اطلاع دیں۔ یہ میرا ایک ساتھی ہے آپ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہے۔ کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ آپ حضرات حضور ﷺ سے درخواست کریں کہ وہ میری مغفرت کی دعا فرمائیں۔ خیبر پہنچنے پر نجاشی کے روانہ کردہ شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ یہاں موجود ہیں، آپ

ﷺ ان سے دریافت فرمائیں کہ نجاشی کا رویہ ان کے ساتھ کیسا تھا اور ان کا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے تفصیل بتائی اور کہا کہ وہ آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپؐ سے دعا کی درخواست کی ہے۔ آپؐ نے وضو کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرما۔ اس پر مسلمانوں نے آمین کہا۔[21]

10: نجاشی کے ہاتھ پہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

راقم نے نجاشی کے دربار میں دو نفری وفد کا ذکر متعدد مرتبہ کیا ہے جو مشرکین مکّہ کی طرف سے بھیجے گئے تھے تا کہ وہ نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف کریں، لیکن حقانیت اسلام اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کے زیر اثر پہلے نجاشی مسلمان ہوا تو پھر نجاشی بھی اسلام کے مبلغین میں ٹھہرا اور اس کی بدولت عمرو بن العاص نے اسلام قبول کیا۔ علامہ ابن عبد البر نے اس بات کو الاستیعاب میں ذکر کیا ہے:

إنه لم يأت من أرض الحبشة إلا معتقدا للإسلام [22]

بیشک حبشہ سے یوں نہیں لوٹے بلکہ انکا دل اسلام کی حقانیت تسلیم کر چکا تھا۔

عمرو بن العاص کی یہ کیفیت اس لیے تھی کہ ایک دن نجاشی نے ان کو اپنے ہاں بلایا اور کہا کہ "اے عمرو! تجھ سے اس کی حقیقت کیسے مخفی رہی جو تیرا چچازاد ہے؟ بخدا یہ بات حق ہے وہ اللہ کا رسول ہے۔" عمرو حیرت میں آ گیا اور نجاشی سے پوچھنے لگا: یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ آپ بھی ان کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں! نجاشی کہنے لگے: جی ہاں! وَاللہ میں ان کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں، تم بھی اس بات میں میری پیروی کرو۔ پس عمرو ابن العاص وہاں سے اٹھے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آنے کی نیت کی اور روانہ ہوئے۔ فتح خیبر سے چھ ماہ پہلے، حضرت سیدنا خالد، حضرت سیدنا عثمان بن طلحہ، کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ جب وہ حبشہ سے روانہ ہوئے تھے تو ان کا ارادہ سیدھا دربار رسالت میں آنے کا تھا لیکن وہ حاضر نہ ہو سکے اور اس وقت پیش ہوئے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتاب "الاصابہ" میں نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکار اور واقدی نے اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: "أنّ إسلامه كان على يد النجاشي، وهو بأرض الحبشة" عمرو بن العاص نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جب کہ وہ حبشہ میں تھے۔[23]

مہاجرین کی ان گوناگوں کوششوں اور تبلیغی سرگرمیوں کی برکات یہ حاصل ہوئیں جو آپ نے اوپر پڑھیں اگر ان کی ہجرت کی صرف یہی ایک برکت ہوتی کہ عمرو بن العاص جیسی شخصیت نے اسلام قبول کر لیا تو یہ بھی کچھ کم بات نہ تھی۔ بہر کیف اس ملک میں مسلمانوں نے وہی طریقہ اپنایا جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبانی ان کو ہدایت عطا فرمائی۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو اس موقع پہ دو نصیحتیں کی کیونکہ یہ لوگ ایسے ملک کی طرف ہجرت کر رہے تھے جو عیسائی ریاست تھی، اس لیے سورہ مزمل نازل ہوئی جس کی ابتدا میں سیدنا یحیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ بھلے ہی مسلمان کمزور اور ظلم سے بچنے کے لیے پناہ اختیار کرنے گئے تھے لیکن اللہ جل شانہ نے ان کو دین کے معاملے میں عقیدے کی پختگی عطا فرمائی۔ جاتے ہوئے مثل زادِ راہ یہ سورہ عطا کی تا کہ عیسائیوں کے ملک میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جو اصل اور صحیح مقام ہے اس کو بیان کریں اور ان کی حیثیت کو واضح کر کے ان کے ابن اللہ ہونے کے تصور کو مسترد کر دیں چاہے نتائج کچھ بھی نکلیں۔

اسی طرح دوسری ہدایت یہ کی گئی کہ اہل کتاب سے اگر کوئی لاحقہ، سابقہ پیش ہو یا بحث مباحثہ ہو جائے تو سورہ عنکبوت میں فرمایا گیا:

"وَلَا تُجَادِلُوا اَهلَ الكتٰب الا بالَّتِي هِيَ اَحسَنُ" [24]

اور اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر احسن انداز سے۔

اس پوری آیت میں یہ تعلیم ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اہل کتاب عیسائیوں کے ساتھ کچھ اس طرح کے معاملات پیش ہو جائیں تو ان سے لڑنے جھگڑنے کی صورت اختیار نہ کرو، ظالم کے ساتھ الجھنے کی ضرورت نہیں مگر جو سمجھنے والے ہوں ان سے بہت یہ مہذب اور معقول رویہ سے بات چیت کرو اور دلائل کے ساتھ شائستہ زبان استعمال کرو۔ یہ ظاہر ہو کہ ہم کوئی متعصب گروہ نہیں کہ اپنے ہاں نازل ہونے والی کتاب کو مانیں اور تمہارے ہاں نازل ہونے والی کتاب کو نہ مانتے ہوں ہم تو حق تعالی کے عبادت گزار ہیں۔ ہمارا خدا اور تمہارا ایک ہی خدا ہے کوئی جداگانہ خدا نہیں ہے۔ ہم نے اس ایک خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

حاصلِ بحث

عصرِ حاضر میں عالمگیریت کے نتیجے میں دنیا ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر چکی ہے، تاہم مختلف خطوں اور معاشروں میں مذہبی و سماجی اقلیتوں کا وجود بدستور برقرار ہے۔ ان اقلیتوں میں مسلم اقلیتیں بھی شامل ہیں، جنہیں اپنی مذہبی شناخت کے تحفظ، معاشرتی انضمام، قانونی حقوق کے حصول اور دعوتِ دین کی ادائیگی کے حوالے سے متعدد چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں ہجرتِ حبشہ کو مسلم اقلیتوں کے لیے ایک اہم تاریخی و سیرتی نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی، جس میں مہاجرین نے غیر مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے دین و ایمان کا تحفظ کیا اور پُرامن بقائے باہمی کی ایک قابلِ توجہ مثال قائم کی۔ ہجرتِ حبشہ کے واقعات سے عصرِ حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لیے متعدد اصولی رہنما خطوط اخذ کیے جا سکتے ہیں، جن میں مذہبی شناخت کا تحفظ، مقامی قوانین کی پاسداری، پرامن معاشرتی تعلقات، مؤثر قانونی و سفارتی ذرائع کا استعمال اور معاشرے میں مثبت کردار کی ادائیگی شامل ہیں۔ مزید بر آں، مہاجر صحابۂ کرامؓ کے پیشِ نظر محض ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنا ہی نہیں تھا، بلکہ دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی مؤثر ترجمانی بھی ان کے مقاصد میں شامل تھی۔ قرآنِ کریم کی ہدایات اور ہجرتِ حبشہ کے اسوہ کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسلم اقلیتیں اپنی مذہبی و ثقافتی شناخت برقرار رکھتے ہوئے معاشرے میں اچھے پڑوسی، ذمہ دار شہری اور مخلص محبِ وطن بن سکتی ہیں، نیز حکمت، حسنِ اخلاق اور مثبت طرزِ عمل کے ذریعے دعوتِ دین کا فریضہ بھی انجام دے سکتی ہیں۔ اس طرح ہجرتِ حبشہ کا تاریخی تجربہ عصرِ حاضر کی مسلم اقلیتوں کے لیے ایک ایسی جامع فکری و عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو ان کی مذہبی وابستگی، سماجی ذمہ داریوں اور پُرامن شہری زندگی کے درمیان توازن قائم کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

References

[1] Iqbal, M. (2018). Sitara [Poem]. In *Bang-e-Dara* (p. 173). Pakistan Academy of Letters.

[2] Dr. Nasurullah Qureshi, Saad Ali, & Dr. Muzaffar Ali. (2024). Role of Humans in the Protection of the Environment: An Analysis in the Light of the Quran. Al-Mahdi Research Journal (MRJ), 5(5), 226–232. Retrieved from: https://ojs.mrj.org.pk/index.php/MRJ/article/view/454

[3] Nazir Ahmed, & Dr. Nasurullah Qureshi. (2025). Welfare Strategies for New Muslims in the Prophetic Society and Their Contemporary Applications. *AL-ĪMĀN Research Journal*, *3*(03), 20-29. https://doi.org/10.63283/IRJ.03.03/12

[4] Al-Qur'ān, 33:21.

[5] Al-Qaraḍāwī, Yūsuf ʻAbd Allāh. *Fiqh al-Aqilliyāt*. Translated by Ilyās Nuʻmānī. Shahbanu, 2011, p. 27.

[6] Syed, M. M. S. (2022). Oryantalistlerin Hadis Araştırmalarındaki Kaynak Kullanımının Sorunları. İlahiyat Tetkikleri Dergisi, 58, 57-66. https://doi.org/10.5152/ilted.2022.2288208

[7] Wikipedia contributors. (2026, July 28). *Federation of Islamic Organizations in Europe*. Wikipedia, The Free Encyclopedia. https://en.wikipedia.org/wiki/Federation_of_Islamic_Organizations_in_Europe

[8] Wikipedia contributors. (2024, January 13). *Muslim Welfare House*. Wikipedia, The Free Encyclopedia. https://en.wikipedia.org/wiki/Muslim_Welfare_House

[9] The Concepts of Jihad and Extremism in the Thought of Dr. Muhammad Sa'id Ramadan al-Bouti: An Critical Analysis in Light of His Book "Al Jihad Fi Al-Islam. (2025). *Bahria University Journal of Islam and Society (BUJIS)*, *1*(01), 38-55. https://doi.org/10.5281/zenodo.17357090

[10] Al-Qaraḍāwī, *Fiqh al-Aqilliyāt*, p. 28.

[11] Pew Research Center. (2017, November 29). *Europe's growing Muslim population*. Pew Research Center's Religion & Public Life Project. https://www.pewresearch.org/religion/2017/11/29/europes-growing-muslim-population/

[12] Al-Qur'ān, 29:60.

[13] Al-Qur'ān, 11:6.

[14] Mawdūdī, Sayyid Abū al-A'lá. *Sīrat Sarwar 'Ālam* ﷺ, (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qur'ān, 1st ed.), Vol. 2, p. 565.

[15] Ḥamīdullāh, Muḥammad, Dr. *Khutbāt-e Bahawalpur*. (Lahore: Payām-e Qurān, n.d.), Lecture No. 12, p. 328.

[16] Dogar, Muḥammad Rafīq. *Al-Amīn* ﷺ. (Lahore: Did Shanid Publishers, November 2000), pp. 372–373.

[17] Ibid.

[18] Al-Qur'ān, 28:52–55.

[19] Ibn Hishām, 'Abd al-Malik ibn Hishām. *Al-Sīrah al-Nabawiyyah*. Edited by Muṣṭafā al-Saqqā, (Cairo: Sharikat Maktabah wa Maṭba 'ah Muṣṭafā al-Bābī al-Ḥalabī wa Awlāduh fi Miṣr, 1955), Vol. 1, p. 341.

[20] Al-Ḥalabī, 'Alī ibn Ibrāhīm. *Al-Sīrah al-Ḥalabiyyah (Insān al-'Uyūn)*. (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1999), Vol. 3, p. 73.

[21] Ibn Kathīr, Ismā'īl ibn Kathīr. *Al-Sīrah al-Nabawiyyah*. Edited by Dr. Muṣṭafā 'Abd al-Wāḥid, (Cairo: Īsā al-Bābī al-Ḥalabī, 1395 AH), Vol. 2, p. 16.

[22] Ibn 'Abd al-Barr, Yūsuf ibn 'Abd Allāh. *Al-Istī'āb fī Ma'rifat al-Aṣḥāb*. Edited by 'Alī Muḥammad al-Bijāwī, (Lebanon: Dār al-Jīl, 1380 AH), Vol. 3, p. 1185.

[23] Ibn Ḥajar al-'Asqalānī, Aḥmad ibn 'Alī. *Al-Iṣābah fī Tamyīz al-Ṣaḥābah*. Edited by 'Ādil Aḥmad 'Abd al-مawjūd and 'Alī Muḥammad Mu'waḍ, (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1415 AH), Vol. 4, p. 538.

[24] Al-Qur'ān, 29:46.